روپیہ کے معاوضہ سے یہ نسخہ مرزا فرخ بیگ کے ذریعہ خرید اگیا۔

غرض یہ تھا کتب خانہ سعیدیہ کے چند نایاب مخطوطات کا مختصر سا تعارف۔ ورنہ یہاں ہزاروں نایاب، بہترین، بیش بہا، قدیم ترین مخطوطات موجود ہیں جن کا مختصر سا تذکرہ کرنے کے لئے بھی ایک تفصیلی کتاب درکار ہے۔

اس کتب خانہ سعیدیہ سے اکثر مشہور و معروف علماء و مشاہیر نے استفادہ اور معائنہ کیا ہے۔ جن میں قابل ذکر نواب عماد الملک، نواب محسن الملک، نواب صدر یار جنگ نواب اعظم یار جنگ، مولوی خدا بخش خاں، شمس العلماء سید علی بلگرامی، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر تاراچند مشہور مورخ سر جادو ناتھ سرکار، پروفیسر ہمایوں کبیر۔ پروفیسر آصف فیضی سابق سفیر ہند، نواب علی یاور جنگ گورنر مہاراشٹر وغیرہ کے علاوہ مصر، ترکی، ایران، اسرائیل، انگلستان، فرانس، ہالینڈ اور جرمن کے مستشرقین نے بھی اس کتب خانہ سے استفادہ کیا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی اس کتب خانہ کا تفصیلی معائنہ کیا اور معائنہ کے اختتام پر فرمایا "میں بہت خوش ہوا۔"

مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند نے تحریر فرمایا ہے:

"میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی علوم کی قلمی کتابوں کے اعتبار سے یہ کتب خانہ ہندوستان کے بہترین ذخیروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس خاندان نے اس کو ایک عالم کے لئے کارآمد بنانے کا ذمہ لے رکھا ہے وہ قومی شکریہ کا مستحق ہے۔"

غرض دکن و ہندوستان کے علماء ہی نہیں بلکہ عرب لیگ کا وفد، ترکی و ایران کے پروفیسر، بلادِ یورپ و امریکہ کے مستشرقین شوق و تجسسِ علم میں یہاں خود آتے ہیں۔ یا مستند کتابوں کی نقولیں بذریعہ فوٹو اسٹاٹ کاپی طلب کرتے ہیں۔ ان علماء و طالبانِ علم کو اپنے اپنے تحقیقِ علمی میں کافی مستند مطلوبہ مواد اس کتب خانہ سے حاصل

ہوجاتا ہے۔ جو شیخ الاسلام الحاج مفتی محمدؒ سعید خاں صاحب مرحوم کا گران قدر علمی ذخیرہ ہے اور زبانِ حال سے ان کی علمیت کا شاہد ہے۔!!

نوٹ :۔ اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل کتابوں اور مقالوں سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ کتب خانہ سعیدیہ (انگریزی) مولوی برہان الدین حسین
۲۔ مفتی محمد سعید خاں صاحب کے خاندان کی علمی خدمت گزاری۔
ڈاکٹر مولوی محمد غوث صاحب۔
۳۔ مشرقی و مغربی کتب خانوں میں اسلامی شعبے
پروفیسر ڈاکٹر محمدؐ حمید اللہ صاحب
۴۔ خانوادہ قاضی بدر الدولہ — پروفیسر محمد یوسف کوکن صاحب عمری
۵۔ تاریخ النوایط — نواب عزیز جنگ ولاؔ مرحوم
۶۔ کیٹلاگ (جلد اول) کتب خانہ سعیدیہ (انگریزی)
ڈاکٹر مولوی محمد غوث صاحب
AUNIQUE ILLUSTRATED MANUSCRIPT OF SADIS GULISTAN
پروفیسر ڈاکٹر محمدؐ نظام الدین
۷۔ گلستان سعیدی کا ایک قدیم اور نایاب نسخہ۔

اِدارہ کے قواعد ضوابط اور فہرست کتب طلب فرمائیے
ندوۃ المصنفین۔ اُردو بازار دہلی ۶

(انتیسویں قسط)[۲۹]

ہندو تہذیب اور مسلمان

از ڈاکٹر محمد عمر صاحب اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی

حضرت امیر خسرو نے ہندی میں ایسے گیت لکھے تھے جو جھولا جھولنے کے موقع پر عورتیں گایا کرتی تھیں۔ اور ہمارے زمانے میں بھی دیہاتوں میں ساون کے مہینے میں گاتے جاتے ہیں[۱]۔ انند رام مخلص نے جھولے کی ساخت کی وضاحت اِن سطور میں کی ہے۔

"از رسمی کہ اطفال یا بعض زناں صاحب جمال بیشتر در ایام برشگال با شاخ درختے یا بسرِ چوب مستحکمے کہ بشکل دوازدہ نصب نمایند، آورند وگاہ دو کس وگاہ یک کس برآں نشستند و یک کس ریسمان را بدست جنبشی دہد و تشکل حرکتش مثل اجیدان ست و باقسام تکلف می شود و ریسمانش را از ابریشم و چوبہا را رنگین و نقاشی سازند ہندی زناں جھولہ نامند واز ہمیں عالم بنوعی دگر از (؟) خوب می سازند وآں را اکثر در مجمع عرسہا و میلہا در باد ار برپا کنند"[۲]

میلے ٹھیلوں اور عرسوں کے میلے کے موقعوں پر جھولے ڈالے جاتے تھے اور بچے جوان جھولا جھول کر تفریح کرتے تھے۔

دہلی کے قرب و جوار میں سیر و تفریح کے کئی مقامات تھے۔ دہلی دراصل باغوں کا شہر تھا

---

[۱] امیر خسرو کا یہ گیت عام طور پر گایا جاتا ہے۔
جو پیا آون کہہ گئے، اجہوں نہ آئے سوامی ہو، اے ہو جو پیا آون کہہ گئے
آون آون کہہ گئے، آئے نہ بارہ ماس۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے۔
حیاتِ خسرو۔ مؤلفہ محمد سعید احمد مارہروی (مطبع اکبری، آگرہ ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ) ص ۷۴ نیز آب حیات ص ۸۳-۸۴

[۲] مراۃ الاصطلاح۔ ص ۱۸۸ الف۔

کیوں کہ یہاں ہزاروں کی تعداد میں باغات تھے۔ علاوہ ازیں جمنا کے کنارے اور نصیر الدین چراغ دہلی کے جھرنے بھی تھے۔ جہاں لوگ سیر کے لئے جایا کرتے تھے۔ انشاء اللہ خاں انشار نے قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کے قریب کی املیوں یا کسی آبِ رواں کے کنارے کے درختوں پر پڑے جھولوں کا بڑا دل کش منظر پیش کیا ہے۔ اِن موقعوں پر پری زادوں کا مجمع لطف کو دو بالا کر دیتا تھا۔ ایک جگہ انشار نے لکھا ہے۔

"کسی آبِ رواں کے کنارے درخت کی ڈال میں جھولا جو پڑا ہوا ہے تو وہاں بھی دو چار پری زاد کھڑے ہیں۔"[۱]

میر حسن دہلوی اور دیگر شعرار نے ساون میں جھولے کی تعریف میں شعر کہے ہیں۔

عجب ساون میں گڑیوں کا مزا ہے ہنڈولا جس طرف دیکھو گڑا ہے[۲]

مصحفی کا شعر ملاحظہ ہو۔ جس میں اُس نے دورِ فلک کی گردش کو جھولے کی گردش سے تشبیہہ دی ہے۔

دورِ فلک میں بس ہے ہنڈولے کی چال ڈھال کس دن زمانہ باز رہا انقلاب سے[۳]

بیل گاڑیوں کی دوڑ کے مقابلے چوں کہ ہندوستان ایک زرعی ملک رہا ہے اس وجہ سے اس ملک میں بیل کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ابو الفضل کا بیان ہے

"ہند میں کھیتی باڑی کا کام بھی اسی جانور کی اعانت و جفاکشی پر چلتا ہے۔ اور مایحتاج زندگی کی فراہمی اسی کی محنت کا ثمرہ ہے۔ یہ جانور بار برداری اور ہل چلانے میں بے حد توی طاقت ور ہے۔"[۵]

---

[۱] دریائے لطافت (ا۔ت) ص ۱۰۰

[۲] مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۶۱

[۳] دیوان ہفتم (ق۔ پٹنہ) ص ۱۷۵ ب

Heber = Narrative of Jorney 1, P. 78.

[۵] برائے تفصیل۔ آئین اکبری (ا۔ت) ج ۱۔ ح ۱/ ص ۲۸۰

ویسے تو گائے بیل ہندوستان کے ہر حصے میں پائے جاتے تھے لیکن گجرات کے بیل بہترین خیال کئے جاتے تھے۔ گجراتی بیلوں کی ایک جوڑ کی قیمت سو مہر تک ہوتی تھی۔ یہ بیل بڑے تیز رفتار ہوتے تھے اور چوبیس گھنٹے میں اسّی کوس کی مسافت طے کی جاسکتی تھی۔ وہ اپنی تیز رفتاری میں گھوڑوں پر بھی سبقت لے جاتے تھے[۱]

بار برداری کے لئے تو عوام و خواص دونوں ہی بیل گاڑیوں کا استعمال کرتے تھے لیکن بادشاہوں، امرا اور اہلِ ثروت لوگوں کے ہاں بیلوں کی ایسی بھی جوڑیاں ہوتی تھیں جن کو رتھوں اور تانگوں میں جوت کر دوڑ کے مقابلے کئے جاتے تھے[الف]۔ موجودہ زمانے میں بھی ہندوستان کے دیہاتوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے۔ میلے ٹھیلوں کے موقعوں پر لوگ بیل گاڑیوں پر دور دراز کا سفر طے کرتے ہیں اور راستے میں دوڑ کے مقابلے ہوتے جاتے ہیں۔

عہدِ مغلیہ میں رتھ[۲] اور بہل[۳] کی سواری عام تھی۔ شاہان، امرا اور عوام ان سواریوں میں سیر و تفریح کے لئے جایا کرتے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے عیش پرست بادشاہ، امرا اور رؤسا رتھوں اور بہلیوں کی ہی سواری پسند کرتے تھے۔ جہاندار شاہ اور محمد شاہ کو رتھ کی سواری سے بڑی دلچسپی تھی۔

دیگر شعبوں کی طرح گاؤخانہ کا بھی ایک الگ شعبہ تھا[۴]۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد اس شعبے کی زبوں حالی کا ذکر معاصر تواریخ میں ملتا ہے۔

۱۔ آئینِ اکبری ج ۱ ح ۱ ص ۲۸۰-۲۸۶، انند رام مخلص نے گجراتی بیلوں کی ایک جوڑ ۴۰۰ روپے کی خریدی تھی سفرنامہ مخلص ص ۹، خلاصۃ التواریخ۔ ص ۱۷۔

۲۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ہفت تماشا (ا۔ت) ۱۹-۲۰، گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۴۰۱

۳۔ بہل دو قسم کی ہوتی تھیں۔ چھتری دار، جس کے اوپر چار لکڑیاں یا اس سے زیادہ باندھ کر چھتر کوان پر آراستہ کرتے ہیں اس قسم کی بہل کو گھر بہل کہتے تھے۔ اس کے علاوہ سادہ بہل ہوتی تھی۔ آئینِ اکبری (ا۔ت) ج ۱، ح ۱، ص ۲۸۴، گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۴۰۱-۴۰۴

۴۔ آئینِ اکبری (ا۔ت) ج ۱، ح ۱، ص ۲۸۰-۲۸۱

الف۔ ویدک عہد میں رتھوں کی دوڑ اکثر ہوتی تھی۔ اور اس میں بڑا لطف آتا تھا۔ ہندوستان کا قدیم تمدن (از بینی پرشاد) مترجم۔ مولوی اصغر حسین (الہ آباد۔ ۱۹۵۰) ص ۶۴

دریاؤں میں چراغاں بعض تہواروں یا دوسرے کسی خاص موقع پر ندیوں اور دریاؤں میں چراغ جلا کر چھوڑے جاتے تھے اور وہ منظر باعث سیر و تفریح ہوتا تھا۔ گنگا ندی میں چراغاں کا ذکر انند رام مخلص اس طرح کرتا ہے

"دریں اثنا چراغے چند از کاغذ سرخ بر روی آب از پیش خیمہ گذشت۔ ظاہراً شخصی از کاغذ گلگوں بقاعدہ کہ نزدیک جوانان بازیچہ دوست نہد مقرر است چراغ ترتیب دادہ و فتیلہ در آں افروختہ یکی بعد دیگری بدریا می گذاشت واین بازیچہ رانوعی از صواب می پنداشت[1]"

اپنی سیاحت کے زمانے میں ہوچ جب مرشد آباد پہنچا تو وہ مسلمانوں کے کسی تہوار کا دن تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ندی میں بے شمار چراغوں کو تیرتے دیکھ کر اس کا دل بہت خوش ہوا تھا[2]۔

جہاندار شاہ بن بہادر شاہ اول کو چراغاں سے بڑی دل چسپی تھی۔ اس کے دورِ حکومت میں بڑے پیمانے پر چراغاں ہوتے اور دہلی شہر کی تمام عمارتوں اور قلعے میں چراغ جلاتے جاتے تھے بعض مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی تھی کہ تیل نایاب ہوجاتا اور گھی کے چراغ جلائے جاتے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تیل و گھی ملنا مشکل ہوگیا[3]۔

---

[1] سفرنامہ انند رام مخلص۔ ص ۸۳)

[2] TRAVELS IN INDIA : P.P. 35-36 نیز سیر المتاخرین (انگریزی ترجمہ) ۱۱/ ص ۱۴۲-۱۴۴

[3] لیٹر مغلس ج ۱/ ص ۱۹۲۔ محمد شاہ کے حکم سے دریائے جمنا کے کنارے پر چراغاں ہوا تھا۔ در سنہ ۱۱۵۶ھ محمد شاہ بادشاہ نجم الدولہ بہادر و فیروز جنگ بخشی الممالک بہادر و قمر الدین خان اعتماد الدولہ وزیر الممالک بہادر وزیر خان عمدۃ الملک بہادر و دیگر امرایانِ عظام را حکم فرمود کہ زیر جھروکہ قلعہ روشنی نمایند۔ چناں چہ امرایان بموجب فرمودہ بادشاہ زیر قلعہ بطرف دریای روشنی کنانند و مقرر شد کہ تا سہ روز روشنی شود۔ ص ۱۰۰ ب، ۱۱۱ ب چہار گلزار شجاعی ص ۱۰۰ ب، ۱۰۱ الف، ۱۴۱ ب، رقعات مرزا قتیل۔ ۲۸

دیگر ہندوستانی کھیل | انشاء اللہ خاں انشاء نے کچھ ایسے کھیلوں کا ذکر کیا ہے جو شہر دہلی کے لئے مخصوص تھے[1]۔ اِن کھیلوں کے ناموں سے یہ بات واضح ہے کہ اِن کا نکاس ہندوستان ہی کی سرزمین تھی۔ مثلاً چند دل گدا کر یوں، کانٹو کنتوں بانسلی بھنبیری میرا نانو، کالی بیلی ڈلو، ڈلو اس سیدھے خط کو کہتے ہیں جو قلم یا انگلی وغیرہ سے دیوار پر کھینچیں)، گھور کھنڈے چو ہے لنڈے، مونگ چنا ڈگڈوتی ڈو، (جو آدمی بچوں سے کھیلتے ہیں) شیر بکری یا باگ بکری، ایمرن، کبڈی، وزیر بادشاہ، آنکھ مچولی کڑوا تیل بلی پادے دہی چلیل[2]۔ چھائیں مائیں گوگھمائیں راجہ کے گھر بیٹا ہوا، دوڑے آئیو کوئی ایسا بھی دانا ہو چڑیا کے بند چھڑا دے، مونگ چنا ڈگڈوتی ڈو، میری آڑو کیوں آڑے، لوڑھی ٹیسورا تے، یہ سب کھیلوں کے نام ہیں مگر ان کی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ ان میں سے لوڑھی (لوری) کا عام رواج تھا اور دہلی سے کابل تک مروج تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ دیوالی کے تہوار سے کچھ دنوں پہلے بچے بعض جوانوں کو ساتھ لے کر محلہ محلہ پھرتے تھے اور ہر گھر سے کچھ نقد یا ایندھن وصول کرتے تھے۔ اور مقررہ رات کو اس ایندھن کا ڈھیر بنا کر جلا دیتے تھے۔ جو کچھ نقد وصول ہوتا تھا اس کی مٹھائی خرید کر آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ حالانکہ یہ رسم ہندوؤں کی تھی لیکن مسلمان بچے بھی اس کھیل میں شامل ہوتے تھے۔

ٹیسورا تے کا مطلب یہ تھا کہ دسہرہ کے دنوں کے قریب لڑکے مٹی کی ایک مورت بناتے تھے جو تین لکڑیوں پر ٹکی ہوتی تھی۔ اُس میں چراغ رکھنے کی جگہ بھی ہوتی تھی۔ اُس کو وہ گھر گھر لئے پھرتے

---

[1] دریائے لطافت (ا۔ت) ص ۲۱-۲۲

[2] عام طور پر بچے رات کے وقت آنکھ مچولی کا کھیل کھیلا کرتے تھے۔ دریائے لطافت (ا۔ت) ص ۲۲

حسرت لکھنوی نے آنکھ مچولی کی یوں وضاحت کی ہے

اگر شوق تجھ آنکھ مچولی سے ہے — اب مجھ کو بھی کھیلنا تجھ اچپل سے ہے
کر بند یہ میری آنکھ اور تو چھپ جا — میں ڈھونڈوں تجھے یہ کھیل اول سے ہے

دیوان حسرت۔ ص ۱۶۹ الف

تھے۔ اور پانچ چھ دن میں جو نقدی وصول ہوتی تھی اس کی مٹھائی لے کر آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ لڑکیاں ٹیسو رائے کے بدلے جھنجھری یا جھنجھنیا بناتی تھی۔ یہ کھیل پورب کے تمام شہروں اور قصبوں میں مروج تھا۔[۱]

دوسرے کھیل مثلاً کبڈی، باگ بکری، وزیر بادشاہ، جوان آدمی بھی کھیلتے تھے۔ اور جگہ جگہ ان کا رواج تھا۔ باقی کھیل بچوں سے مخصوص تھے۔

تی سرستیا پھول پان بیچیا، یہ کلمہ گلی ڈنڈا کھیلنے کے موقع پر کہا جاتا تھا۔ کھیل میں ایک خاص موقع پر جب کھیلنے والے کا بانس ٹوٹ جاتا تھا تو ڈنڈا اُس کے ہاتھ میں مارا جاتا تھا جسے چمیٹی کہتے تھے۔[۲] پنٹر بھی ایک کھیل کا نام تھا۔[۳]

گڑیا کا کھیل قدیم زمانے سے لڑکیوں میں گڑیا اور گڈے کے کھیل کا رواج چلا آرہا ہے اور لڑکیاں بڑی شان و شوکت سے گڑیا گڈے کا بیاہ بھی رچاتی تھیں۔ میر حسن دہلوی نے اس کھیل کا ذکر کیا ہے۔

اک محلے میں تھیں کتنی لڑکیاں — کھیل میں باہم تھیں وہ سب ہمجولیاں
گڑیاں کھیلا کرتی تھیں آپس میں وہ — تھیں بہم اس بات پر ہم قسمیں وہ[۴]

بنگال کے ادب میں ڈھوپھری نام کے ایک کھیل کا ذکر ملتا ہے۔ یہ دیہاتی ہاکی کا کھیل تھا۔ ہمارے زمانے میں بھی دیہاتی بچے لکڑی کی ہاکی بنا کر کھیلتے ہیں۔ لکڑی کا ایک ایسا ٹکڑا کاٹا جاتا ہے جس کا ایک سر نصف دائرہ کے مانند ہوتا ہے۔ گیند کپڑے کی بنائی جاتی ہے۔ اور اس لکڑی سے موجودہ ہاکی کے کھیل کی طرح کھیلتے تھے۔[۵]

ایک دوسرا کھیل گیرو کہلاتا تھا۔ یہ کھیل کئی لڑکے بیک وقت کھیلتے تھے اور مخالف پارٹی پر گیند مارتے تھے جو گیند کو اپنی گرفت میں لیتا تھا۔[۶] (باقی)

---

[۱] دیبائے لطافت (ا۔ ت) ص ۱۳۱-۱۳۲ [۲] ہفت تماشا ص ۷۷-۷۸ [۳] ایضاً ص ۱۳۱ [۴] ایضاً (فارسی) ص ۷۷ [۴] مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی (لکھنؤ ۱۹۴۵ء) ص ۱۶۷-۱۶۹ [۵] A few aspects of the social history of Bengal. (J.D.L. 1922) P. 215. [۶] ایضاً ص ۲۱۶